© rasailojaraid.com

اہل کتاب اور ایمان بالرسالت

(۳)

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز بی اے

تیسری آیت یہ پیش کی جایا کرتی ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ۔ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ ۔ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۔

(۲۸ : ۶)

جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دی ہیں، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ حق ہے جو ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوا) ہے ہم تو اس سے پہلے ہی ماننے والوں میں تھے۔ ان لوگوں کو دہرا اجر ملے گا، بہ سبب اس کے کہ انہوں نے استقامت دکھائی اور وہ بدی کا دفعیہ نیکی سے کر دیتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اس سے نتیجہ یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اہل کتاب جب قرآن کریم پر ایمان لائیں تو ان کو دہرا ثواب ملتا ہے۔" لہذا اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان کو، بہ حیثیت اہل کتاب ہونے کے، ایک حصہ تو ثواب کا ضرور مل جاتا ہے، اس لیے قرآن ان کے محض اہل کتاب ہونے کی حیثیت کو بھی ایمان ہی سے تسلیم کرتا ہے۔

یہاں الجھن پھر اسی "لہذا" نے پیدا کی ہے جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھیے کہ قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریم نے دہرا حصہ محض اہل کتاب کے لیے ہی مخصوص نہیں کیا بلکہ بعض حالتوں میں جملہ اہل ایمان کے لیے دہرا حصہ مقرر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۵۷ : ۲۸)

اے ایمان والو تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ تم کو اپنی رحمت سے ثواب کے دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور عنایت کریگا کہ تم اس کو لیے ہوئے چلتے پھرتے رہو گے۔ اور تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ظاہر ہے کہ اہل کتاب کے ایمان لانے پر جو دہرا ثواب دیا گیا ہے، اس میں ایک حصہ ان کے پہلے ایمان کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ دوہرے حصہ میں دوسرے مسلمان بھی شامل ہیں یا نہیں۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کا یہ خاص اعجاز ہے کہ وہ ایسے اعتراضات کا جواب بھی ساتھ ہی ساتھ دیتا چلا جاتا ہے بشرطیکہ بصیرت سے اس کا مطالعہ کیا جائے (۵۷ : ۲۸) کی آیت اوپر درج ہے اس میں ذکر ہے کہ ایمان والوں کو دہرا حصہ ملے گا۔ اس کا جواب اس آیۃ کے ساتھ ہی متصل ہے

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۵۷ : ۲۹)۔

(یہ دو حصے اس لیے عنایت کرے گا) تا کہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیدے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

لیجیے معاملہ صاف ہو گیا۔ یہ دو حصے اس لیے ہیں کہ اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ ان کے لئے ایک حصہ تو کجا، اس کا کوئی جزو بھی نہیں ہے۔ اللہ کا فضل مشروط بہ ایمان ہے۔ فرمائیے اب کیا اعتراض کی گنجائش ہے؟ انکا دعوی ہے کہ اہل کتاب کے ایمان لانے پر چونکہ دوہرے ثواب کا وعدہ ہے۔ لہذا اگر وہ ایمان نہ بھی لائیں تو ایک حصہ ان کا برقرار رہتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی کاریگر سے کہیں کہ دیکھو بھائی! اگر تم ہمارا کام کر دو۔ تو ہم تمہیں ایک کی بجائے دو روپے دیدیں گے۔ اگر اس نے آپ کا کام ٹھیک کر دیا تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو روپے کا حقدار ہے۔ اور اگر اس نے نہ بھی کیا تو بھی ایک روپیہ کا تو اس کا حق کہیں نہیں جاتا۔ کیسے یہ کیسی منطق ہے؟ اگر یہی اصول درست ہے تو فرمائیے کہ قرآن کریم کے اس مقام میں آپکا کیا استدلال ہوگا جہاں رسول کریم کی ازواج مطہراتؓ سے کہا ہے کہ:۔

مَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ (۳۳:۳۱) جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریگی تو ہم اس کو اس کا دہرا ثواب دیں گے۔

یعنی اگر وہ خدا و رسول کی فرمانبرداری کریں اور عمل صالح بھی کریں تو دہرا ثواب، لیکن اگر وہ (خدا نخواستہ) خدا اور رسول کی فرمانبردار نہ بھی رہیں، اور اعمال صالح بھی نہ کریں، تو ان کو ثواب کا ایک حصہ تو ضرور مل جائیگا۔ ہے نا ٹھیک؟ اور اس منطق کو ذرا اور آگے بڑھائیے۔ فرمایا:۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ (۳۳:۳۰) اے نبی کی بیویو! جو کوئی تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کریگی اسے دہری سزا ملیگی۔

اسی منطق کی رو سے معلوم ہوا کہ اگر ازواج مطہرات میں (نعوذ باللہ) کوئی بے حیائی کا کام کرے گی تو دہری سزا ملے گی۔ اور اگر ایسا نہ بھی کرے گی، تو بھی ایک حصہ سزا کا تو مل کر رہے گا۔ سبحان اللہ تعالیٰ عما یصفون۔

حقیقت یہ ہے کہ ثواب و رحمت کا زیادہ حصہ بعض حالات و شرائط کے تحت ہوتا ہے۔ ایک کام آپ بلا کسی محنت و مشقت کے حسب معمول کر جائیں تو یقیناً اس کا اجر اتنا نہیں جتنا اس وقت کے عمل کا ہوگا جبکہ اس کے لیے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیں۔ آپکے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہو تو اس میں سے دس روپیہ خرچ کر دینے سے اللہ کی رحمتوں کا ہجوم اس کثرت سے نہ ہوگا جتنا اس حالت میں کہ آپ کے پاس صرف ایک پیسہ ہو، اور بھوک بھی لگ رہی ہو لیکن آپ اس کو بھی ایثار کر لیں اور آپ سے زیادہ مستحق ہو کا سامنے آ جائے، اور آپ وہی اپنا سرمایہ اس کے حوالہ کر دیں۔ ازواج مطہرات کے اعمال حسنہ کا دگنا اجر اسلیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ انہوں نے دنیاوی آسائش و آرام کو دین کی خاطر ترک کرنا منظور کر لیا تھا، اور ان کے اعمال حیات کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑتا تھا۔ اہل کتاب جب ایمان لائے ہیں تو انہیں بڑی بڑی سخت آزمائشوں سے گذرنا پڑا تھا۔ معتقدات انسان کے لیے سب سے زیادہ عزیز سرمایہ ہوتے ہیں۔ کفار و مشرکین کے معتقدات محض ان کے آباؤ اجداد کی تقلید میں تھے۔ وہ انہیں کسی خاص حقانیت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے برعکس اس کے عوام اہل کتاب اپنے معتقدات کو انبیاء و کتب سماوی کی طرف نسبت دیتے تھے، ان کے چھوڑنے میں قلب پر بڑا جبر کرنا پڑتا تھا۔ ان کے مذہبی مقتداؤں کے لیے یہ مرحلہ اور بھی زیادہ جانگسل تھا مذہب چھوڑنے سے ان کی "خدائی" ان کے ہاتھ سے نکل رہی تھی لیکن جنھوں نے اتنی بڑی آزمائشوں کا مقابلہ کیا، اور ایسی حالت میں مسلمان ہو گئے کہ اسلام قبول کرنے سے بظاہر دنیاوی مفاد بھی حاصل نہ ہو رہے تھے، ان کی جرأت ایمانی کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ یہ تمام حقیقت "بما صبروا" کے اندر مضمر ہے جس کی وجہ سے قرآن مجید انکو دہرے اجر کا مستحق قرار دیتا ہے۔

اب اس آیت کو لیجیے جو اس باب میں معترضین کا عروۃ الوثقی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى	تحقیق جو لوگ کہ ایمان والے ہیں۔ اور یہود اور نصاریٰ
وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور صابئین جو شخص بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ	اور عمل اچھے کرے۔ ان کا اجر ان کے اللہ کے پاس ہے اور
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۲: ۶۲)	ان کو کسی قسم کا خوف و حزن نہیں۔

اس سے نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ و صابئین سے صرف ایمان باللہ و آخرت کا مطالبہ ہے۔ ایمان رسالت و قرآن کا مطالبہ نہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں ہمیں اب کسی مزید تفصیل و توضیح کی ضرورت نہیں۔ درحقیقت یہ آیت اور نتیجہ مستخرجہ اسی ضمن کا ہے جیسے ہم (۳: ۱۲) کی آیت میں دیکھ چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جس کا جواب بھی وہیں دیا جا چکا ہے مختصراً یہ کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ

۱۔ اہل کتاب کے ایمان باللہ و آخرت کو قرآن ایمان ہی تسلیم نہیں کرتا۔ (۹:۴)۔

۲۔ قرآن میں جہاں جہاں ایمان باللہ و آخرت کا مطالبہ ہے یہ اجمالی دعوت ہے جس کے اندر ایمان کے پانچوں اجزا شامل ہیں جن میں سے اگر ایک بھی ساقط ہو جائے تو ایمان باقی نہیں رہتا۔

۳۔ قرآن کسی عمل کو صالح قرار ہی نہیں دیتا تاوقتیکہ وہ ایسے ایمان کے ساتھ مشروط نہ ہو جیسا قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ اور یہ ایمان کیسا ہونا چاہیے۔ اس کے متعلق قرآن کا حتمی فیصلہ ہے جسے بغور سن لینا چاہیے۔ فرمایا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (۲:۱۶)

اور یہ کہتے ہیں کہ تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تب راہ ہدایت پاؤ گے۔ کہدیجئے کہ نہیں بلکہ (ہم تو) ملت ابراہیم (پر ہیں گے) ایک طرف ہو کر۔ اور وہ مشرک نہ تھے کہیے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور جو کچھ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل کیا گیا تھا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور تمام انبیاء کو دیا گیا ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مطیع و منقاد ہیں۔ پس اگر یہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو، تب وہ راہ ہدایت پر ہو لیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ لوگ تو ہمیشہ سے مخالفت پر ہی (رہے ہیں) سو عنقریب اللہ تمہاری طرف سے ان سے نمٹ لے گا اور وہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان کے متعلق صاف فیصلہ ہے کہ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ (اگر یہ لوگ ایسا ایمان لائیں جیسا تم لائے ہو) لہٰذا ایمان کا مطالبہ خواہ کسی طور سے کیا جائے جب تک وہ اس شرط پر پورا نہیں اترتا ایمان نہیں کہلایا جا سکتا۔

اور اگر (۲:۶۰) کی رو سے یہی مانا جائے کہ صرف ایمان باللہ و یوم آخر کا ہی مطالبہ ہے تو اس میں تو یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (یعنی مسلمانوں) سے بھی یہی مطالبہ ہے یعنی جس طرح یہود و نصاریٰ صرف اللہ و آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے جس شرع و منہاج پر بھی چاہے کاربند رہیں نجات کے مستحق ہو جائیں گے اُسی طرح مسلمان بھی محض اللہ و آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے جس طریق پر جس طرح بھی چاہے کاربند ہو جائیں نجات کے لیے کافی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر قرآن و رسول کا اتباع کن کے لیے ضروری ٹھیرا؟ اس آیت میں صرف اسلام کی عالمگیر دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت کا انسان اس دائرہ میں داخل ہو سکتا ہے کسی کے لیے اس کی نسل، رنگ، قومیت، مذہب اس بارہ میں مانع نہیں نہ یہ کہ ہر فرقہ اپنے اپنے وہم و قیاس کے مطابق عمل پیرا ہونے سے مساوی نجات کا مستحق ہو سکتا ہے۔

حکایت دراز تر ہو گئی لیکن اسے ختم کرنے سے پیشتر ایک اور عقیدہ کا اظہار کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ پنجاب کے ایک صاحب کا دعویٰ ہے (اور ایسی ایسی جدتوں کے لیے پنجاب ہی کی سرزمین کچھ زیادہ راس ہے شهادة من اهلها) کہ رسول اللہ کی رسالت صرف عرب کے بنی اسمٰعیل کے لیے تھی۔ باقی دنیا کے لیے وہ بطور مجدد کے تھے (ملاحظہ فرمایا آپ نے "یہ رسول مجدد" کی ترکیب قرآن پر کتنا حسین اضافہ ہے)۔ اپنے دعوے کی دلیل میں قرآن کریم سے ایسی آیات پیش کرتے ہیں جن میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کو ڈرائیے جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا مثلاً۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا (یہ قرآن) خدائے عزیز الرحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (۱:۳۶)

کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد نہیں ڈرائے گئے تھے۔

یا یہ آیت۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ۔ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ... (۲۰:۶)

اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے سو اس کا اتباع کرو، اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔ کبھی تم لوگ یہ کہنے لگتے کہ کتاب تو ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض غافل تھے یا یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ راست پر ہوتے سو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح کتاب رہنما اور رحمت آگئی ....

ان آیات سے ثابت کیا جاتا ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل کے پاس پہلے کتابیں آچکی تھیں اس لیے قرآن کریم صرف بنی اسمٰعیل کے لیے ہی نازل ہوا ہے (حقیقت یہ ہے کہ فکر انسانی کی بلند پروازی کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ جو نتائج چاہے مستخرج کرلے) خیر گذری جو ان کی نگاہ اس آیت پر نہ پڑی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ (۱۱:۲۶)

اور اپنے کنبہ کے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

اس سے تو وہ حضور کی رسالت کو صرف آپ کے خاندان تک ہی محدود کر دیتے اور باقی ساری دنیا کے لیے آپ کو "مجدد" قرار دے لیتے۔

قرآن کریم نے تبلیغ کے مختلف مدارج دکھائے ہیں دعویٰ نبوت کے بعد سب سے پہلے اپنے خویش اقارب ہی مخاطب کیے جا سکتے تھے[۱]۔ چنانچہ یہ تبلیغ کا پہلا درجہ ہے۔

[۱] انگریزی میں مثل مشہور ہے کہ Charity begins at home

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۲۶: ۱۱) — اور اپنے کنبے کے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

پھر یہ دائرہ ذرا اور وسیع ہوا اور فرمایا۔

كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (۴۲: ۱)۔ — اور ہم نے عربی قرآن بذریعہ وحی کے تیری طرف بھیجا کہ تو مکے اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو ڈرائے۔

پھر اس حلقہ میں اور وسعت ہوئی۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ۔ (۳۶: ۱) — تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے آباؤ اجداد نہیں ڈرائے گئے تھے اس لیے وہ بے خبر ہیں۔

پھر ان کے ساتھ اہل کتاب بھی شامل ہوئے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ (۵: ۳) — اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا رسول کی غیر موجودگی میں تاکہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور آگاہ کرنے والا نہیں آیا۔ (سو تمہارے پاس بشیر و نذیر آگیا)۔

دیکھ لیجیے۔ اس میں اہل کتاب کے لیے بھی اسی حجت کا ذکر کیا گیا ہے جو غیر اہل کتاب "بنی اسمٰعیل" کے لیے ہمارے معترض نے (۶: ۲۰) میں ظاہر کی تھی نیز عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ رسولوں کی غیر موجودگی سے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ نبی اکرمؐ کی بعثت کے وقت کسی نبیؑ کا صحیح پیغام کہیں موجود نہ تھا کیونکہ رسول کے پیغام کا موجود رہنا درحقیقت رسول کا موجود رہنا، اور اس کے پیغام کا گم ہو جانا خود رسول کا گم ہو جانا ہے۔ نبی اکرم کی رسالت اسی وجہ سے قیامت تک کے لیے ہے کہ انکا پیغام قیامت تک کے لیے محفوظ و مصئون ہے۔

پھر یہ دائرہ اپنی انتہائی وسعتوں تک پہنچ گیا اور حضورؐ کی دعوت تمام اہل عالم کے لیے بیان کی گئی۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (...) — کہہ دو اے محمدؐ کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری جگہ ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (۳۴:۲۸)

اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

نہ صرف اسی زمانہ کے مخاطبین کے لیے ہی بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے بھی

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (۶۲:۱)

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو آیتیں سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے، اور ان لوگوں کی طرف بھی جو ابھی تک ان میں نہیں ملے ہیں۔

آپ فرمائیے کہ رسولؐ کی رسالت تمام نوع انسانی کے لیے ہے یا صرف بنی اسمٰعیل کے لیے؟ اور اتنی بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے۔

یہ حقائق کسی مزید تبصرے کے محتاج نہیں نہ یہ کچھ ایسی باتیں ہیں کہ کوئی شخص جو تلاش حق کے خاطر ان کا مطالعہ کرے اس پر صحیح مطلب واضح نہ ہو۔ باوجود اس کے کچھ لوگ یہی عقیدہ رکھے چلے جاتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہر گروہ اپنے اپنے طریق پر کاربند رہ کر نجات حاصل کر سکتا ہے۔

آپ خود فیصلہ فرما لیجیے کہ اس عقیدہ کو قرآن کریم کی تعلیم سے کس قدر مناسبت ہے۔ میں خود ایک عرصہ تک حیران رہا کہ ایسے عقیدہ کا محرک کونسا جذبہ ہے اور وہ کونسی ایسی دلیل ہے جو ان کے نزدیک قرآنی حقائق پر بھی فائق ہے؟ ایک دفعہ ایک اچھے معقول مسلمان صاحب سے اسی عنوان پر گفتگو ہو رہی تھی میں نے قرآن پاک کی بہتیری آیات کو پیش کیا (دہرا دہرا کر) باتیں کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ صاحب کچھ بھی ہو یہ تو انتہائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنگ نظری ہے کہ قرآن یا محمد رسول اللہ نجات وسعادت محض اپنے ہی طریقہ تعلیم کے ساتھ مشروط کر دیں اور باقی دنیا کے تمام مذاہب کو باطل قرار دیدیا جائے"۔ اس کے بعد یہی دلیل مختلف الفاظ میں مختلف احباب سے سننے میں آئی۔ آپ نے کچھ خیال فرمایا کہ اس خیال کی بنیاد کس عقیدہ پر ہے؟ ان حضرات نے دین کو بھی ایک دنیاداری کا معاملہ سمجھ رکھا ہے یوں سمجھیے کہ ان کے نزدیک (نقل کفر کفر نباشد) مختلف حضرات انبیاء کرام، اپنی اپنی جنس لے کر منڈی میں آئے ہوئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنی تجارت کے لیے، اپنے متبعین بڑھانے کی خاطر، اپنی جنس کو سب سے عمدہ اور خالص بتاتا ہے چنانچہ یہی آواز قرآن کی دکان سے بھی ان تک پہنچتی ہے۔ اور یہ بات واقعی نہایت تنگ نظری کی ہے کہ اپنے مذہب کے فروغ کی خاطر قرآن باقی تمام ادیان عالم کے پیرؤں کے لیے نجات کے دروازے بند کر دے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہر دکان میں وہی سودا بکتا ہے جس کا جہاں سے جی چاہے سودا خریدے تم دوسروں کا "منافع" مارنے کی خاطر ان کی جنس کو کھوٹی کیوں بتاتے ہو۔

یہ دلیل بڑی محکم اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے لیکن صرف دنیاوی تجارت کے بازار تک ہی اس کا اطلاق درست ہے جہاں ہر شخص کی دکان مختلف ہوتی ہے! اور اس دکان کے نفع و نقصان کا اثر اس کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ برعکس اس کے مذہب کے متعلق یہ نقشہ نہایت مضبوطی کے ساتھ دل میں تسلیم کر لینا چاہیے کہ مذہب اسلام حضرت آدم سے لے کر نبی اکرم تک ہر زمانے میں خدا اور صرف خدا کی طرف سے آتا رہا ہے اس دکان کا وہ واحد مالک ہے حضرات انبیاء کرام کا اس میں کوئی ذاتی حصہ نفع یا نقصان نہیں ہوتا۔ یہ انتظام بھی اسی مالک حقیقی کا ہے کہ اپنی ایک ایجنسی کو بند کر دے کہ وہاں کے کارندوں نے بددیانتی شروع کر دی تھی، اور اصل مال میں کچھ ملاوٹ کر کے گاہکوں کو دھوکہ دیرہے تھے، اور اس کی جگہ دوسری ایجنسی کھول دے۔ اگر یہی مالک، اس قسم کا اشتہار دے کہ میری فلاں فلاں ایجنسی قابل اعتماد نہیں، ان کی خریداری ترک فرمادیں اور مطلع کیا جاتا ہے کہ اصلی مارکہ کا مال اب فلاں ایجنسی سے ہی طلب کیجئے گا، تو فرمائیے اس ایجنسی کے ملازمین کی کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنگ نظری ہے۔ اور مالک حقیقی کی کونسی جانب داری ہے۔ سند اس نئی ایجنسی کے پاس یہ ہے کہ دوسری دکانیں اس مال پر جسے وہ اصل بتا کر پیش کر رہی ہیں، مالک حقیقی کی مہر نہیں دکھا سکتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے یہ تمام غلط فہمیاں مقام رسالت کی صحیح تحقیق نہ کرنے کی بنا پر ہیں۔ اگر رسول کو اللہ کا پیغمبر اور قرآن کو خدا کا کلام سمجھا جائے تو اس تنگ نظری کا الزام کس پر؟ تنگ نظری کا تو سوال ہی وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں ہم مذہب اسلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ کی تخلیق قرار دیدیں۔ اور یقین مانیے کہ ہمارے تجدد پسند، روشن خیال حضرات، خواہ زبان سے اس کا اقرار نہ بھی کریں لیکن جس قسم کے شبہات ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، وہ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ وہ رسول اللہ کو صرف ایک "راستباز انسان" ہی سمجھتے ہیں "رسول من اللہ" نہیں سمجھتے اور اسی بنا پر وہ تمام خیالات پیدا ہو رہے ہیں جنہیں رواداری، کشادہ دلی، وسعت ظرف وغیرہ کے نظر فریب مناظر میں چھپا کر سامنے لایا جاتا ہے بعض دیدہ و دانستہ لیکن اکثر ان میں سے خود بھی دھوکے میں ہوتے ہیں۔ اور اگرچہ بظاہر معلوم نہیں ہوتا لیکن یہ خیالات بھی اس مسموم فضا کا نتیجہ ہیں جو انہیں آہستہ آہستہ قرآن و رسول سے بالکل بیگانہ کرتی چلی جا رہی ہے اور ہم رفتہ رفتہ اپنے مرکز سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ یہ آواز جب تک عام بازاری حلقوں سے اٹھتی رہی، زیادہ اعتبار اور قوت حاصل نہ کر سکی لیکن واحسرتا! کہ بعض نہایت ممتاز اور ذمہ دار ہستیوں کی طرف سے بھی اس قسم کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ آج مختلف گوشوں سے جو عام طور پر ایمان بالرسالت کے خلاف اعتراضات پیدا ہو رہے ہیں یہ انہی آوازوں کی صدا ہائے بازگشت ہیں۔ اس باب میں اس "خوگر حمد" کو مؤقر مجلہ معارف سے بھی تھوڑا سا گلہ ہے۔ مولنا ابوالکلام آزاد مدظلہ کی کتاب ترجمان القرآن پر اس عاجز نے جب تنقید لکھی اور اس میں ظاہر کیا کہ ترجمان سے اس قسم کے خیالات کی اشاعت ہو رہی ہے جن سے رواداری کے مقابلہ میں ایمان بالرسالت کی کوئی قیمت نہیں رہتی، تو اس کے بعد معارف میں اس عنوان پر ایک مبسوط مقالہ مدیر معاون معارف کے قلم سے شائع ہوا۔ اگرچہ اس میں راقم الحروف کے اعتراضات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولاً اتفاق کیا گیا تھا لیکن مضمون کچھ ایسا بچ بچا کر، سمٹ سمٹا کر، منہ موڑ کر ادھر کو اُدھر کو بڑھا کے ہاتھ" لکھا گیا تھا کہ جس سے :-

گاندھی جی بھی خوش رہیں۔ راضی رہے سرکار بھی

حتیٰ کہ آخر میں بحث کا خلاصہ لکھتے وقت یہ تحریر تھا کہ۔

"قرآن پاک نے اہل کتاب کو سب سے پہلے اس عالمگیر صداقت کے دین کو جو اسلام کا مرادف ہے اور جس کو اسلام کہتے ہیں، ماننے کی دعوت دی ہے تاکہ وہ کامل ہدایت پائیں، لیکن اگر وہ اس کو نہ مانیں تو دوسری دعوت اصل مقصد سے اتر کر بسبیل تنزل یہ دی ہے کہ وہ اپنے ہی مذہب پر پوری طرح عمل کریں تو ان سے بھی اسلام پورا نہیں تو اسلام کا قرب تو حاصل ہوگا" (معارف بابت مارچ ۱۹۳۳ء، ص ۱۹۵)

صاحب مضمون نے اپنے مقالہ میں کہیں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے وہ نتیجہ نکالا جا سکتا جو انہوں نے بحث کے آخر میں نکالا ہے۔ اس لیے میں تو حیران ہوں کہ یہ "بسبیل تنزل"، اصل مقصد سے اتر کر، دوسری دعوت قرآن کے کس مقام سے ثابت ہے؟ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ جہاں تک ہدایت و ضلالت کا تعلق ہے قرآن نے انسان کے لیے دو اور صرف دو ہی راستے بتائے ہیں: ظلمت و نور، کفر و ایمان، ضلالت و ہدایت۔ ان کے بین بین، کوئی اور راہ قرآن کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (گمراہی اور ہدایت بالکل واضح ہو چکی ا)۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا، خواہ وہ اب قبول کرے۔ خواہ اس سے انکار کر دے) وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ (ہم نے اس کو دونوں راستے بتا دیے ہیں)۔ اسلام تو نام ہی دو ٹوک ہو جانے کا ہے اس لیے اسے دین حنیف (سب سے کٹ کر ایک ہو جانے کا دین) کہا گیا ہے۔ اس کے بین بین تو صرف منافقت کا راستہ ہے۔ قرآن کا تو فیصلہ ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ — جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ — اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا۔ (۲۱:۴)

تفریق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں، اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں ایسے لوگ پکے کافر ہیں۔

کیا اہل کتاب کو بہ سبیل تنزل جس قسم کے ایمان کی دعوت معارف میں دی گئی ہے۔ وہ یہی نہیں کہ

(۱) بعض رسولوں پر ایمان رکھیں اور بعض پر نہ رکھیں۔ اور

(۲) کفر اور اسلام کے بین بین ایک راہ تجویز کریں۔

اور کیا یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر ان اہل کتاب کو قرآن میں کافرون حقاً (پکے کافر) بلا شک و شبہہ کافر کہا گیا ہے؟ نہ معلوم اس سے اسلام کا قرب کس طرح سے حاصل ہوگا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کے اپنے ہی مذہب پر پوری طرح عمل کرنے" سے مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلی تعلیم، حقیقی کتاب پر کاربند ہو جائیں، تو وہ اصلی تعلیم لیں گے کہاں سے؟ اگر آپ اس کے وجود کے قائل ہیں تو پیدا کیجیے۔ قرآن کا دعویٰ تو یہی ہے کہ ان کے پاس ان کی اصلی تعلیم موجود ہی نہیں۔ اور ان کی تحریف کے آپ خود قائل ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ۔

> لیکن قرآن کے اس کہنے سے (جو اقتباس اوپر نقل کیا گیا ہے اس کہنے سے)، یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ہے کہ قرآن نے یہودیت اور نصرانیت اور ان کی تحریف شدہ کتابوں کی صداقت کو تمام تر تسلیم کر لیا ہے (ایضاً صفحہ ۱۹۵)

اگر وہ اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے سے بھی اسلام کے قریب آ سکتے ہیں، تو آپکے اس ٹکڑے سے کیا مطلب ہے کہ:-

"پس نتیجہ بحث یہ ہے کہ۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ

اور ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن بہت سے لوگ بے خبر ہیں ۔ (ایضاً ص ۱۹۵)

نتیجہ بحث تو بالکل یہی ہے لیکن اس میں یہ داخل نہیں کہ اہل کتاب اپنے اپنے مذہب پر کاربند رہ کر بھی اسلام کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ نزول قرآن و بعثت نبوی کے بعد دنیا کا کوئی انسان کسی اور طریق پر کاربند رہ کر ہدایت و نجات کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا کہ یہ فیصلہ اس کا ہے جو نجات و ہدایت کی تمام راہوں کا مالک ہے کسی انسان کا فیصلہ نہیں ہے ۔ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ شَهِيْدٌ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com